قسط نمبر (3)

حضرت علامہ محمد شہاب الدین ندویؒ *

ماہیت باریٔ تعالیٰ پر ایک نظر

قدیم وجدید نظریات کی روشنی میں

ایک معتدل موقف

اس بحث کے مطابق پہلا موقف بالکل صحیح ہے کہ باریٔ تعالیٰ کی ذات اقدس دیگر تمام مظاہر وموجودات سے مختلف ہے۔ تو اس اعتبار سے اس کے جسمانی وجود کی نفی کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ بغیر جسمانی وجود کے کسی چیز کا تصور میں آنا خود عقلی یا فلسفیانہ نقطۂ نظر سے محال ہے۔ اب رہا دوسرا اور تیسرا موقف تو وہ اس لحاظ سے غلط اور مہمل ہے کہ باریٔ تعالیٰ ہمارے اجسام ہی کی طرح ہے۔ اور جہاں تک صفات کے اختلافات کا تعلق ہے تو وہ چار پانچ میں منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی بے شمار صفات ہیں جو مخلوقات کی صفات سے یکسر مختلف اور حیرت انگیز ہیں۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ نے تصریح کی ہے کہ باریٔ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوقات کی صفات کے خلاف ہیں۔ چنانچہ اسکا جاننا ہمارے جاننے کی طرح نہیں ہے، اس کی قدرت ہماری قدرت کی طرح نہیں ہے، اس کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں ہے، اسکا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں ہے اور اس کا تکلم کرنا ہمارے تکلم کرنے کی طرح نہیں ہے۔

وصفاته كلها بخلاف صفات المخلوقين: يعلم لا كعلمنا، ويقدر لا كقدرتنا، ويرى لا كرؤيتنا، ويسمع لا كسمعنا، ويتكلم لا ككلامنا.(۲۸)

جب اتنا سب صحیح ہے تو پھر اسے صاحب جسم تسلیم کر لینے میں کیا قباحت ہوسکتی ہے؟ جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیل گزر چکی کہ بعض سلف صالحین ''تشبیہ'' کی حد تک اس کی جسمانیت کے قائل تھے۔ اس لحاظ سے اس قسم کی بات نہ کوئی بدعت ہے اور نہ ہی کوئی نقص یا عیب کی بات۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وہ جسم تو ہے مگر وہ دیگر اجسام کی طرح نہیں ہے۔ اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سائنس نہ تو ''مادہ'' کی حقیقت جانتی ہے اور نہ ''اجسام'' کی۔ اسی طرح اس نے استقرائی اعتبار سے ہماری معلوم شدہ کائنات کے تمام حقائق

---

* بانی، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور، انڈیا

کا پتہ بھی نہیں لگایا ہے، ماورائے کائنات کے عجائب تک رسائی حاصل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

الغرض ماہیت باری کے سلسلے میں اس اعتراف کے بغیر یہ پیچیدہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ہماری حیرتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ لہذا اس سلسلے کے قدیم کلامی مسائل کو ایک دفتر پارینہ تصور کر کے اسے تہہ کر دینا ہی بہتر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ''حدوث عالم'' کے ذریعہ باری تعالیٰ کا وجود ثابت کرنا دین میں ایک بہت بڑا فتنہ بن گیا ہے، کیونکہ اس مردود نظریہ کی بنا پر خداوند عالم کا وجود ثابت ہونا تو درکنار وہ ایک معمہ اور چیستان بن کر رہ گیا ہے۔ اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے اس کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ''کچھ'' نہ کہنا ایک سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے، جو غیر واقعی اور غیر سائنٹفک ہے۔ چنانچہ اگلے صفحات میں قرآن اور حدیث کی بعض تصریحات کی روشنی میں باری تعالیٰ کی ''جسمانیت'' پر بحث کی گئی ہے۔

وجود باری کی ایک سائنٹفک دلیل

جدید سائنسی اکتشافات کی بدولت کائنات کے بہت سے اسرار سربستہ منظر عام پر آ چکے ہیں، جو خلاق عالم کے ''تخلیقی رازوں'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان نئے حقائق کی روشنی میں خدا کے وجود پر نئے نئے دلائل قائم کرنے کا دروازہ کھل گیا ہے، جن کے مقابلے میں قدیم فلسفیانہ دلائل ایک افسانہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان نئے دلائل کے ذریعہ جدید ذہن و دماغ کو متاثر کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

مثال کے طور پر حدوث عالم ہی کے سلسلے میں وجود باری پر ایک نئی دلیل اس طرح قائم کی جاسکتی ہے کہ ہماری کائنات اربوں کہکشاؤں (گیلکسیز) پر مشتمل ایک انتہائی وسیع اور بے کراں کائنات ہے جو ایک دھماکے کے ذریعہ وجود میں آئی ہے، جیسا کہ ''بگ بینگ تھیوری'' کے طور پر جدید سائنس کا نظریہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قدر عظیم مادہ کہاں سے آیا اور اس میں دھماکہ کس نے کیا؟ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ رب العالمین نے یہ مادہ اپنی عظیم ترین قدرت سے پیدا کیا (اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ) اور اس میں دھماکہ بھی اسی نے کیا (کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَا ھُمَا)۔ یعنی زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے، جن کو ہم نے پھاڑ کر جدا کر دیا۔

اس اعتبار سے یہاں پر نہ صرف خداوند عالم کا وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ اس کی ''خلاقیت'' اور اس کی عظمت و بزرگی بھی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس قدر وسیع و عریض مادہ جو ناقابل قیاس حد تک انتہائی عظیم ہے، پیدا کرنا اس کی خلاقیت کی دلیل ہے۔ اور پھر اس عظیم ترین مادے میں دھماکہ کرنا یا اس کو پھاڑ کر اربوں کہکشائیں اور ان گنت و لاتعداد ستارے و سیارے پیدا کرنا اس کی عظمت و بزرگی کا واضح ترین ثبوت ہے۔ اس اعتبار سے خالق ارض و سما کی زبردست قوت و عظمت کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے، جو متکلمین کے لغو نظریہ کے مطابق ایک معمولی ذرہ (جوہر یا ایٹم) یا اس سے بھی حقیر و کمترین وجود نہیں ہوسکتا۔ بھلا ایک ننھا سا ایٹم کیا پہاڑ پھوڑ سکتا ہے؟ فاعتبروا یا أولی الأبصار۔

صفات باری کا سائنٹفک ثبوت

پچھلی دلیل وجود باری کے سلسلے میں تھی۔ اب صفات باری کے ثبوت میں ایک سائنٹفک دلیل ملاحظہ ہو جس سے قدیم و جدید تمام فلاسفہ (منکرین خدا) اور خاص کر معتزلہ کا رد ہوتا ہے جو صفات باری کے منکر تھے۔

ہماری کائنات کا مادہ ابتداء گیس کی شکل میں تھا (جیسا کہ سائنسی تحقیق ہے)۔ اس کی تعبیر قرآن حکیم میں دھوئیں (دُخان) کے لفظ سے کی گئی ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ۔ مگر اس دخانی مادے سے مختلف خصوصیات رکھنے والے اجرام سماوی ہی نہیں بلکہ خود ''مادے'' ہی کی مختلف قسمیں وجود میں لانا ایک بہت بڑا کرشمہ اور خلاقیت کا مظہر ہے۔ مثلاً مادہ اور ضد مادہ، پلازما، سیاہ مادہ اور سیاہ سحابیہ وغیرہ وغیرہ۔ ان کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ ان اختلافات کی وجہ سمجھنے سے سائنس داں قاصر ہیں۔

اور پھر اس سے بھی بڑا کمال یا جادوگری یہ ہے کہ خدائے ذوالجلال نے اس دخانی یا گیسی مادے سے جو دراصل برقی لہروں کا مجموعہ ہے، ہائیڈروجن سے لے کر یورانیم تک ۹۲ عناصر بنادئے، جن میں سے ہر ایک کی طبیعیاتی طور پر الگ الگ خصوصیات ہیں۔ ایک سے لے کر ۹۲ تک یہ تمام قدرتی عناصر تسلسل کے ساتھ کس طرح وجود میں آ گئے؟ اس کی گرہ کشائی کوئی بھی سائنس داں نہیں کرسکتا۔ اور پھر ان ''مردہ'' عناصر میں زندگی کس طرح نمودار ہوگئی اور مادی مظاہر میں سماعت، بصارت، قدرت، علم، ارادہ اور تکلم وغیرہ وغیرہ صفات کس طرح ظاہر ہوگئیں؟ اس کی توجیہہ کرنے سے پوری دنیائے سائنس عاجز ہے۔ کیونکہ مفرد عناصر میں یہ خصوصیات ناپید ہیں۔ اور یہ مانی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان صرف اشیاء کی ظاہری خصوصیات ہی دریافت کرسکتا ہے، ان کے باطنی کوائف کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

لہٰذا ان غیر مادی صفات کا ظہور بغیر کسی خلاق ہستی کے آپ سے آپ نہیں ہوسکتا۔ اس مظہر قدرت کے ظہور سے یہ ابدی حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اس کائنات میں کوئی حیرت انگیز ہستی ضرور موجود ہے جو مذکورہ بالا تمام صفات سے متصف ہے۔ ورنہ ایک سمیع و بصیر ہستی کے وجود کے بغیر سماعت و بصارت کا ظہور نہیں ہوسکتا، ایک قادر مطلق ہستی کے بغیر قدرت یا طاقت نمودار نہیں ہوسکتی، ایک عاقل و باشعور وجود کے بغیر عقل و شعور ظاہر نہیں ہوسکتے، ایک علیم و خبیر پیکر کے بغیر علم وجود میں نہیں آسکتا۔ وقس علی ذالک۔

اس اعتبار سے ایک انسان یا ایک باشعور و با ارادہ ہستی میں جتنی بھی صفات اور جتنے بھی کمالات نظر آتے ہیں وہ ایک مافوق الطبعی وجود کا پرتو ہیں۔ اگرچہ خالق اور مخلوق میں کوئی مشابہت نہیں ہے، مگر یک گونہ مناسبت ضرور ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح دیکھ اور سن رہا ہے جس طرح انسان دیکھتا اور سنتا ہے، یا یہ کہ اس کا علم اور اس کی قدرت بھی انسان ہی کی طرح ہے۔ غرض وہ لامحدود قوتوں والا اور ہمہ دان و ہمہ بین ہے۔ وہ کھاتا پیتا نہیں ہے، وہ سوتا نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور سب پر نظر رکھے ہوئے انہیں سہارا دے رہا

ہے۔اگر وہ اپنی مخلوق سے نظر ہٹالے تو پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا ، وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (فاطر:۴۱)

ترجمہ: اللہ یقیناً آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو اس کے بعد انہیں کوئی بھی تھام نہیں سکتا۔یقیناً وہ (اپنے بندوں کے لئے) بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔

افعال الٰہی کا سائنٹفک ثبوت

وجود باری اور صفات باری کے اثبات کے بعد اب افعال باری کا سائنٹفک ثبوت یہ ہے کہ اس نے ایک ''مشترکہ'' مادے سے مختلف خصوصیات والے عناصر و جواہر پیدا کئے جو ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔پھر ان عناصر کی ''ترکیب'' سے مختلف مظاہر و موجودات کو وجود بخشا۔پھر ان میں سے بعض کو جمادات، بعض کو سماوات اور بعض کو نباتات و حیوانات کی شکل دے دی اور ان سب کو رنگ برنگے روپ عطا کئے اور ان کے خصائص میں بوقلمونی پیدا کردی، جو یقیناً خلاقیت و ربوبیت کے معجزات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس اعتبار سے ہماری اس کائنات میں جتنی بھی اشیاء اور ان کی عجیب و غریب خصوصیات ہیں وہ سب ''افعال الٰہی'' کی کرشمہ سازیاں ہیں، جن کی صحیح حقیقت و ماہیت سمجھنے سے جدید سائنس باوجود اپنی ہمہ گیر ترقی کے عاجز و بے بس ہے۔اور یہ باریٔ تعالیٰ کی ''الوہیت'' کی ایک ناقابل تردید دلیل ہے۔یعنی افعال الٰہی کی تعلیل سے انسان عاجز ہے۔مثال کے طور پر دیکھئے ہائیڈروجن اپنی طبیعت کے لحاظ سے (مفرد طور پر) ایک جلنے والی گیس ہے اور آکسیجن اپنی اصل طبیعت کی رو سے چیزوں کو جلانے میں مدد دینے والی گیس ہے۔مگر ان دونوں کے تعامل سے پانی جیسی بجھانے والی چیز کس طرح وجود میں آگئی؟ اس کی توجیہ کوئی بھی سائنس داں نہیں کرسکتا۔یہی حال دیگر اشیاء کا بھی ہے۔اس اعتبار سے یہ پوری کائنات ''جادو کی نگری'' معلوم ہوتی ہے۔چنانچہ ''الٰہ'' کا لفظی مفہوم ہے: وہ ہستی جو (اپنے افعال میں) حیرت انگیز ہو۔(۶۹)

خلاصہ یہ کہ کلامی نقطۂ نظر سے مسئلہ توحید میں جو بحث کی جاتی ہے اس کا دائرہ ذات باری، اس کی صفات اور اس کے افعال ہیں۔اور یہ تینوں امور بغیر کسی الجھاوے کے سائنٹفک نقطۂ نظر سے دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو جاتے ہیں۔اور اس سلسلے میں اور بھی بہت سے نئے نئے دلائل جدید سے جدید تر سائنسی اکتشافات کی روشنی میں دئے جاسکتے ہیں، جن کے ذریعہ ایک طرف ہمارے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسری طرف فکری و نظریاتی گمراہیوں کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔لہٰذا جدید سائنسی تحقیقات کو زیر بحث لاکر جدید علم کلام کی تدوین کرنا ضروری ہے، جس کے باعث نوع انسانی کی صحیح رہنمائی ہوسکتی ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ۔ (نحل:۸۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب اتاردی ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ اور وہ اہل اسلام کے لئے ہدایت، رحمت اور خوش خبری ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (حدید:۲۵)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو (ہر دور میں) کھلے کھلے دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی اتاردی ہے۔ تاکہ لوگ (جادۂ) اعتدال پر قائم رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ''شخصیت'' پر ایک نظر

اہل کلام نے قدیم فلسفے کو بنیاد بنا کر باریٔ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے بارے میں جو نظریات گھڑے تھے وہ اب بے حقیقت ثابت ہو چکے ہیں، جو نہ صرف قرآن اور حدیث کے خلاف ہیں بلکہ خود سائنسی نقطۂ نظر سے بھی بے اصل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر قرآن اور حدیث کی روشنی میں بعض حقائق پیش کئے جاتے ہیں، جن کے ملاحظے سے باریٔ تعالیٰ کی شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے اور ہر قسم کے شک وشبہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق اللہ تعالیٰ ایک زندہ وجود ہے:

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ، لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ (بقرہ:۲۵۵)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے، وہ زندہ اور سب کو تھامنے والا ہے۔ اسے نہ تو اونگھ آسکتی ہے اور نہ نیند۔

یہ ''آیت الکرسی'' کا ایک فقرہ ہے اور یہ قرآن مجید کی سب سے عظیم ترین آیت کہلاتی ہے، جو توحید باری کے سلسلے میں ہر قسم کی جہالتوں کا خاتمہ کر کے خدائے جبار وقہار کی عظمت وبزرگی ثابت کرتی ہے۔ اس پوری آیت کریمہ کی تفسیر کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس موقع پر صرف چند متعلقہ مسائل کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں: الٰہ، حیّ اور قیوم۔ ان کی مختصر تشریح یہ ہے: جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ''الٰہ'' کے لغوی معنی اس ہستی کے ہیں جو حیرت انگیز افعال والی ہو۔ چنانچہ آپ اس پوری کائنات میں جدھر بھی اور جس حیثیت سے بھی نظر ڈالئے ہر طرف آپ کو حیران کن چیزیں اور ان کی حیران کن صفات نظر آئیں گی، جن کی گرہ کشائی انسان اپنی عقل ودانش سے کسی بھی طرح نہیں کرسکتا۔ بلکہ یہ تمام اشیاء اور ان کی انوکھی اور حیرت انگیز خصوصیات اسے ورطۂ حیرت میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔ ایسی زبردست ہستی کو لامحالہ طور پر زندہ اور قیوم ہونا چاہئے، جو تمام موجودات عالم کو تھامنے والی ہو۔ اور ایسی ہستی کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے کہ اتنی بڑی کائنات اور ان کے نظاموں میں کسی قسم کا خلل نہ آسکے۔ تو اس لحاظ سے فرمایا گیا کہ اسے نہ تو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ یعنی وہ نظام عالم کی محافظت

ایک نظر

سے اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی سو گیا یا غافل ہو گیا تو پھر یہ پورا سلسلہء وجود درہم برہم ہو جائے گا۔ لہذا اس سے ثابت ہوا کہ اس کائنات میں ایک حیرت انگیز افعال والی ہستی ضرور موجود ہے جو زندہ ہے اور تمام موجودات عالم کو تھامے ہوئے ہے۔ چنانچہ اس عظیم الشان کائنات کا نفیس اور بے داغ نظام خود ہی ایسی زبردست ہستی کے وجود کی شہادت دے رہا ہے۔ اس اعتبار سے قرآن اور نظام کائنات میں بہت گہرا ربط و تعلق ہے۔

یہ تھی اوپر مذکور آیت کریمہ کی مختصر تفسیر۔ اب اس موقع پر سائنسی نقطۂ نظر سے ایک بحث یہ ہے کہ ''زندہ'' چیز کس کو کہتے ہیں؟ تو زندہ چیز وہ ہے جس میں ''زندگی'' اور اس کے مظاہر (روح اور اس کی کارگزاریاں) موجود ہوں۔ چنانچہ ہماری معلوم شدہ کائنات میں زندگی کا ادنیٰ نمونہ یک خلوی (سنگل سیل) جرثومہ ہے، جس میں مادۂ حیات (پروٹوپلازم) ہوتا ہے، جیسے بکٹیریا اور جراثیم۔ یہ ننھے ننھے جاندار زندگی کی ایک اکائی یا یونٹ کہلاتے ہیں، جو ایک خانے یا خول میں بند ہوتے ہیں، جسے اصطلاح میں خلیہ یا سیل (Cell) کہا جاتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی جاندار چیزیں (حیوانات و نباتات) ہیں سب کے سب انہیں خلیوں کا مجموعہ ہیں، جو ان کے اجسام کی مقدار کے مطابق کم وبیش ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک انسان اس قسم کے کھربوں کھربوں خلیوں کا مجموعہ ہے، جن کو خوردبین کے ذریعہ دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک واحد خلیے کے اندر جو مادۂ حیات ہوتا ہے وہ چودہ عناصر کا مجموعہ ہے۔(۷۰) اور ان مختلف عناصر سے مادۂ حیات متشکل ہوا ہے۔ اور بغیر مادۂ حیات کے کوئی بھی چیز ''ذی حیات'' نہیں کہلاسکتی۔ اس اعتبار سے ذی حیات شے کے لئے ''جسم'' ہونا لازمی ہے۔ یہ سائنسی دنیا کے مسلمہ حقائق ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ان کی بنیاد تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے۔

مگر متکلمین نے اس لحاظ سے غور ہی نہیں کیا اور بغیر کسی ثبوت کے رٹ لگادی کہ باریٔ تعالیٰ جسم نہیں ہوسکتا۔ جب وہ جسم نہیں ہوسکتا تو پھر وہ زندہ وجود کس طرح ہوسکتا ہے؟ کیا مفرد عناصر و جواہر میں زندگی پائی جاتی ہے؟ کیا اعراض زندہ وجود قرار پاسکتے ہیں؟ اور پھر مزید تماشہ یہ کہ جو چیز نہ جوہر ہو اور نہ عرض وہ زندگی سے متصف کیوں کر ہوسکتی ہے؟ بس قدیم فلسفے کے رد و ابطال کیلئے یہی ایک دلیل کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف فلسفیانہ نقطۂ نظر سے ایک مذاق ہے بلکہ اس سے قرآن حکیم کا انکار بھی لازم آجاتا ہے۔ گویا کہ عقل و نقل دونوں اس مردود نظریہ کے خلاف ہیں۔

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ﴾ (یونس:۳۹)

ترجمہ: بلکہ انہوں نے اس چیز کی تکذیب کردی جس کے علم کا وہ احاطہ نہ کرسکے اور اس کی حقیقت ان پر واضح نہیں ہوسکی ہے۔

دور قدیم میں اگرچہ پروٹوپلازم، خلیہ، جرثومہ اور بکٹیریا وغیرہ کی تحقیق نہیں ہوسکی تھی، مگر اس دور کے متکلمین اتنا تو سوچ سکتے تھے کہ مفرد عناصر یا اس شے بھی کمتر اشیاء میں زندگی نہیں پائی جاتی۔ لہذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں

نے انتہاء پسندانہ فلسفیانہ نظریات اخذ کرنے سے پہلے قرآن اور حدیث کی واضح اور صریح دلالتوں کو پوری طرح نظر انداز کر دیا، بلکہ انہیں خاطر میں بھی نہیں لایا۔

واضح رہے کہ اس موقع پر یہ قطعاً مقصود نہیں ہے کہ رب العالمین بھی انہیں چودہ عناصر یا پروٹو پلازم سے مرکب ہے، معاذ اللہ۔ خالق اور مخلوق کی ماہیت میں کسی بھی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ بلکہ اس موقع پر محض یہ دکھانا مقصود ہے کہ جب متکلمین نے ہماری مادی اشیاء پر قیاس کرتے ہوئے باریٔ تعالیٰ کے جسمانی وجود کا انکار کیا ہے تو پھر یہ کیوں نہیں سوچا کہ بغیر جسم کے کوئی شے زندہ یا ذی روح کس طرح ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں کھلا ہوا تضاد ہے:

اوپر مذکور آیت میں حی کے بعد قیوم کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں: اپنی جگہ پر قائم اور تمام مخلوقات کو تھامنے یا ان کی حفاظت کرنے والا۔

القیوم: القائم الحافظ لکل شئ۔(۷۱)

اس لحاظ سے تمام موجودات عالم کو تھامنے یا ان کی حفاظت کرنے والی ہستی کوئی ''ذرہ'' یا اس سے بھی کمتر چیز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اسے اس پوری کائنات سے بڑھ کر عظیم ترین جثّے والی ہستی ہونا چاہئے، جیسا کہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ، سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔﴾ (زمر:۶۷)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی، جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے، جب کہ یہ پوری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں تہہ کئے ہوئے ہوں گے۔ (لہٰذا) وہ ان لوگوں کے شرک سے بری ہے۔

اس آیت کریمہ کی شرح بخاری و مسلم میں اس طرح آئی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنے قبضے میں کر لے گا اور آسمان لپٹا ہوا اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر وہ فرمائے گا کہ میں ہی (حقیقی) بادشاہ ہوں، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟

يقبض الله الأرض يوم القيامة ويطوي السماء بيمينه، ثم يقول أنا الملك أين ملوك الأرض ؟(۷۲)

زمین اور آسمان کو مع اربوں کہکشاؤں اور ان گنت و لاتعداد ستاروں کے ایک ہاتھ میں اٹھا لینے والی ہستی کس قدر زبردست و عظیم ہوگی؟ اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ لہٰذا ایسی عظیم و لاثانی ہستی کو ایک جوہر یا اس سے بھی

نچلے درجے کی چیز قرار دینا ایک بھونڈا اسا مذاق نہیں تو پھر کیا ہے؟

واضح رہے حدیث نبوی کی اس تصریح کے مطابق ایک اور حقیقت یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ باریٔ تعالیٰ ہماری کائنات اور اس کے مادی مظاہر سے الگ اور جدا ہے۔ اور اس میں رد ہے ان متکلمین کا جو خلاق عالم کو ''نہ داخل عالم اور نہ خارج عالم'' قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اس میں عقیدۂ ''وحدت الوجود'' کا بھی رد ہے۔ اور اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کس چیز کو بنانے والا خود اس چیز کے اندر شامل نہیں ہوسکتا۔ اور پھر خلاق عالم کی عظیم شخصیت ایک ''رتی سی'' کائنات میں کس طرح سما سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ جب وہ پوری کائنات کو ایک ہاتھ میں اٹھا سکتا ہے تو یہ کائنات اس کے لئے ایک ذرا سی چیز ہوگی، جو باریٔ تعالیٰ کی متحمل نہ ہوگی۔ بلکہ اگر وہ ایک گھونسا مار دے تو یہ پوری کائنات چکنا چور ہو جائے گی۔ اس اعتبار سے یہ عظیم ترین کائنات اس کے لئے ایک چھوٹے سے ''گلوب'' کی ہے، جسے وہ اپنے سامنے رکھے ہوئے ہر ایک مخلوق کی حرکت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

آیت کریمہ میں چوتھی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ باریٔ تعالیٰ کو اُونگھ اور نیند نہیں آسکتی، ورنہ یہ پورا نظام کائنات بگڑ کر رہ جائے گا۔ چنانچہ نیند آنا ذی روح چیز کا خاصہ ہے، ورنہ یہ لفظ بے معنی بن جائے گا۔ اس اعتبار سے وہ ''صاحب نفس'' بھی ہے۔ جیسا کہ اس حقیقت کا انکشاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی اس طرح کرایا گیا ہے:

﴿تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ﴾ (مائدہ:۱۱۶)

ترجمہ: تو میرے نفس (دل) کے اندر جو ہے اسے جانتا ہے اور جو بات تیرے نفس میں ہے وہ میں نہیں جانتا۔

اس لحاظ سے خالق اور مخلوق میں مشابہت نہ سہی مگر ایک درجے میں مناسبت ضرور ہے۔ چنانچہ اس کی مزید وضاحت ایک حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو موت نہیں آسکتی، جبکہ تمام جن وانس مرنے والے ہیں۔

لا إله إلا أنت الذي لا يموت و الجن و الانس يموتون۔ (۷۳)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن وانس کی طرح اللہ تعالیٰ ایک پیکر حیات ہے، جو صاحب جسم اور صاحب نفس بھی ہے۔ لہٰذا وہ جیسا بھی ہے اس کی ایک ''شخصیت'' ضرور ہے۔ چنانچہ بعض احادیث میں اللہ تعالیٰ کو ''شیٔ'' اور ''شخص'' بھی کہا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی چیز اللہ سے زیادہ غیرت مند نہیں ہے۔

لا شئ أغير من الله عز و جل۔ (۷۴)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ارشاد رسول ہے: کوئی شخص اللہ سے زیادہ غیرت والا نہیں ہے۔

لا شخص أغير من الله۔ (۷۵)

ظاہر ہے کہ غیرت مندی نفس کی ایک کیفیت کا نام ہے، جس کا تصور بغیر ''شخص'' کے نہیں کیا جاسکتا۔ کاش اس قسم کے منطقی دلالات پر فلسفہ زدہ لوگوں نے غور کیا ہوتا! قرآن اور حدیث کی رو سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، پیر، چہرہ،

آنکھیں اور انگلیاں وغیرہ تمام اعضاء کا اثبات ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ زبردست قوت والا (قادر اور قدیر) ہر چیز کا علم رکھنے والا (علیم وخبیر) سننے والا (سمیع) دیکھنے والا (بصیر) گفتگو کرنے والا (متکلم) اور ارادہ کرنے والا (مرید) بھی ہے۔ مگر وہ ان صفات میں تمام مخلوقات سے منفرد و ممتاز ہے اور اُس جیسی کوئی دوسری ہستی اس کائنات میں موجود نہیں ہے۔

فلاسفہ اور متکلمین کا رد وابطال

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک حدیث ملاحظہ ہو جس کے ذریعہ باریٔ تعالیٰ کی شخصیت اور اُس کی حقیقت و ماہیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اور شکوک وشبہات کے تمام بادل چھٹ جاتے ہیں:

حجابه النور أو النار لو كشفه لاحرقت سُبحات وجهه ما إنتهى إليه بصره من خلقه: باریٔ تعالیٰ کا حجاب نور یا آگ ہے (یعنی وہ نور کے پردے میں رہتا ہے)۔ اگر وہ اس حجاب کو کھول دے تو اُس کے چہرے کی شعاعیں (یا انوار) ہر اُس مخلوق کو جلا کر خاکستر کر دیں گی جہاں تک اُس کی نگاہ جائے۔(۷۶)

اس موقع پر سُبحات سے کیا مراد ہے؟ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں جیسے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا جلال ہے، اس سے مراد اس کے چہرے کی روشنی ہے، اس سے مراد اس کے محاسن ہیں وغیرہ۔ لیکن سب سے قریب ترین معنی یہ ہے اگر وہ اپنے اُن انوار کو کھول دے جو اُسے بندوں سے چھپائے ہوئے ہیں تو ہر وہ شخص ہلاک ہو جائے گا جس پر وہ روشنی پڑ جائے، جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی۔

وأقرب من هذا كله أن المعنى: لو إنكشفت من أنوار الله التي تحجب العباد عنه شئ لأهلك كل من وقع عليه ذلك النور، كما خر موسى صعقا وتقطع الجبل دكا، لما تجلى الله سبحانه وتعالى۔(۷۷)

اس عظیم الشان حدیث سے باریٔ تعالیٰ کی حقیقت و ماہیت پوری طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ اور اس میں تمام فلاسفہ و متکلمین کے خود ساختہ نظریات وتخیلات کا رد وابطال ہے۔ چنانچہ اس حدیث شریف سے کئی حقیقتیں سامنے آتی ہیں جو یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ نور کے پردے میں رہتا ہے، اس سے اُس کی جہت ثابت ہوگئی۔

۲- جب جہت ثابت ہوگئی تو اس سے اُس کی جسمانیت بھی ثابت ہوگئی۔

۳- باریٔ تعالیٰ کا نہ صرف چہرہ ہے بلکہ اُس کی نگاہ بھی ہے۔

۴- باریٔ تعالیٰ کے چہرے یا اُس کی نگاہ کے انوار یا شعاعوں سے مخلوق کا جل جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ اُس

کی نگاہ سے کوئی چیز خارج ہوتی ہے۔ اس سے بھی نہ صرف باریٔ تعالیٰ کی جسمانیت ثابت ہوتی ہے بلکہ ''کسی چیز'' کا خروج بھی ثابت ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ بغیر جسم کے کسی چیز کا خروج محال ہے۔

۵- وہ ''مادہ'' جو مخلوقات کو جلا دینے والا ہو وہ کوئی معمولی مادہ نہیں ہوسکتا۔اس اعتبار سے وہ کوئی ''سُوپر مادہ'' ہوسکتا ہے، جس کا علم انسان کو نہیں ہے۔

۶- اس اعتبار سے خدائے عظیم کا مادہ ہمارے مادے سے یکسر مختلف ہے۔ اور وہ حدوث و فنا کی علت سے خالی ہے۔ اور وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

۷- اسی بنا پر اُس کا دیدار دنیا میں کسی بھی مخلوق کو نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کوئی بھی مخلوق اس دنیا میں اپنے خالق کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی، بلکہ جل کر خاکستر ہو جائیگی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باریٔ تعالیٰ کی تجلی کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو گئے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ (اعراف:۱۴۳)

ترجمہ: جب اللہ نے پہاڑ پر اپنی تجلی کی تو اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

۸- اس سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر رہتے ہوئے اپنی کائنات کے جس مقام کو چاہے آن کی آن میں ''نشانہ'' بنا سکتا ہے۔

۹- اس سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی مخلوق اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی تمام مخلوقات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

۱۰- جب اُس کی محض ایک نگاہ سے ایک بڑے سے بڑا پہاڑ چکنا چور ہوسکتا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی ہستی نہایت درجہ عظیم اور جلیل القدر ہے اور ایسی عظیم و لاثانی ہستی ایک ''ذرہ'' یا جوہر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ایک جوہر ایک پہاڑ کو پھوڑ نہیں سکتا۔

قیامت کے دن دیدار الٰہی

اس اعتبار سے یہ حدیث حقائق و معارف سے بھرپور ہے، جو ہر قسم کے بے بنیاد نظریات کا قلع قمع کرسکتی ہے۔اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب باریٔ تعالیٰ کو کوئی مخلوق دیکھ نہیں سکتی اور اُس کے دیدار کی تاب نہیں لاسکتی تو پھر وہ آخرت میں کس طرح نظر آئے گا؟ یہی وہ معرکۃ الآراء سوال ہے جو اسلامی فرقوں میں باعث نزاع بن گیا، جس کے نتیجے میں علمی دنگے برپا ہوئے اور وہ حیرانی و سرگردانی کا باعث بن گیا۔ (جاری ہے)